Woodbrooke Series.

# SOURCE OF POWER IN RELIGION.

BY PROF. LOOTFY LEVONIAN.

# مذہب میں منبعِ قدرت

مصنّفہ
پروفیسر لطفی لیوونیان صاحب
مقیم بیروت

---

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
انارکلی۔ لاہور

---

The Punjab Religious Book Society,
Anarkali, Lahore.

Woodbrooke Series.

# SOURCE OF POWER IN RELIGION.

# مذہب میں منبع قدرت

مذہب کے اہم ترین مسائل میں سے ایک "مذہب میں منبع قدرت" کا مسئلہ ہے۔ صاحب رُوح ہونے کی حیثیت میں انسان حاجات اور خواہشاتِ روحانی کو محسُوس کرتا ہے۔ اور وہ بدی کی نسبت نیکی کا زیادہ خواہشمند ہوتا ہے۔ اسی طرح اسے ادنےٰ اشیا کی نسبت پاکیزگی کی زیادہ آرزو ہوتی ہے۔ اس کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ حیوانی اور نفسانی خواہشات کے خلاف جد و جہد کر کے پاکیزگی کو حاصل کر لے۔ یہی انسان کی دلی خواہش ہے۔ بلکہ یہ خواہش متواتر جاری رہتی ہے۔ ابتدائے عالم سے انسان اسی عُمدہ و اعلیٰ تمنا و آرزو کو پُورا کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ فی الحقیقت مذہب انسان کے لئے امر طبعی ہے کیونکہ وہ انسان کی روحانی ضروریات کو بہم پہنچاتا ہے۔ لہٰذا مذہب سے متعلق یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ "آیا مذہب ان روحانی ضروریات اور خواہشات کو پُورا کر سکتا ہے یا نہیں"۔

ہم مندرجہ ذیل مثال کے ذریعہ سے اس کو سمجھا سکتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ کوئی طبیب ہو اور کوئی مریض اس کے پاس آئے اور طبیب اپنی حکمت پر اعتماد کرتا ہوا یہ یقین کرے کہ وہ اس کے مرض کو دُور کر سکتا ہے۔ پس وہ اس کا علاج

و معالجہ کرتا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض کامل شفا حاصل کر لیتا ہے اور زندگی کی کشمکش کے لئے کُلیتہً تندرست و سالم ہو کر واپس جاتا ہے۔ یا فرض کیجئے کہ کوئی حکیم کسی مرض لاحق کے روبرو اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے لیکن مریض کے ساتھ جھوٹے وعدے کر کے اس کو ہمت دلاتا اور اس کا بے سُود علاج کرتا ہے اور مریض کے دل میں باطل اُمید پیدا کرتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کو زندگی کی جد و جہد کے لئے اُسی طرح ناتواں اور کمزور واپس کر دیتا ہے۔

اگر ہم زندگی اور اخلاق کے زاویہ نگاہ سے مذہب پر نظر ڈالیں تو وہاں بھی ہم یہی حال دیکھیں گے۔ کیا فی الحقیقت نور و طاقت کا کوئی ایسا منبع ہے جو اس قابل ہے کہ ہماری اخلاقی کمزوریوں کو دُور کر دے اور ہماری زندگی کو صحیح و سالم بنا دے ؟ یا کیا مذہب ایک ایسا ذریعہ ہے جو ہمارے اخلاقی امراض کی بیخ کنی نہیں کر سکتا بلکہ یونہی بے سُود روایات کو پیش کر کے ہمارا وقت برباد کرتا ہے ؟ کیا مذہب ایک ایسی طاقت ہے جو ہم کو ادنیٰ زندگی سے اعلیٰ زندگی تک پہنچاتی ہے اور خود غرضی سے پاکیزگی اور حیوانیت سے انسانیت کی جانب لے جاتی ہے ؟ یا کیا مذہب کوئی ایسا انتظام ہے جو ہمارے علم کے بغیر ہم کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے اور زندگی کی کشمکش سے متعلق ہماری تمام مشکلات کے عوض آئندہ خوشی و خرمی کی نسبت یقین دلا کر ہم کو فریب دینا چاہتا ہے ؟

حکما و مصلحین میں سے اکثروں نے لوگوں کو خوشباشی اور مصروفیت کی صلاح دی لیکن اُن میں سے ایک نے بھی خوشی اور مصروفیت کی تحصیل کی تجویز نہ بتائی۔ علاوہ بریں اکثر اوقات سب سے اعلیٰ و افضل ہادی خود بھی ادنیٰ ترین جذبات کے مُرید بنے رہے ہیں۔ پس کیا مذہب ایک ایسا نظم و نسق ہے جو ہم کو ایسے تصوّرات دکھاتا ہے جن تک ہماری رسائی نہیں ؟ یا کیا مذہب میں

یہ طاقت ہے کہ ہم کو اُن تصورات تک پہنچا دے ؟ یا بالفاظِ دیگر کیا مذہب سے مراد محض وہمی و خیالی عقیدہ ہے یا کیا مذہب میں حقیقی طاقت و قوت موجود ہے؟ مذہب سے متعلقہ مسائل میں سے یہ ایک نہایت اہم اور دلچسپ مسئلہ ہے۔

اس مسئلہ پر غور کرنے سے پیشتر یہ ضرور ہے کہ ہم انسان کی اساسی روحانی ضروریات پر غور کریں اور دریافت کریں کہ وہ ضروریات کیا ہیں؟

اوّل۔ انسان کو سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ اُس کے خیالات۔ اُس کے مقاصد اور اُس کا اندرونی عالم ایسی شئے کے ساتھ کامل مطابقت اور موافقت رکھے جو پاکیزہ اور مصفّا ہو۔ حالانکہ اکثر لوگ ان باتوں سے بے پروا ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ نفسانی اور شہوی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں اور ہر مقام نامحمُود تک وہ اس لئے کھینچے ہوئے جاتے ہیں کہ اپنی خواہشاتِ بَد کو پُورا کر سکیں۔ ایسے لوگ انسانیت سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور انسانی نقطۂ نگاہ سے مُردہ تصور کئے جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو زندگی کے معنی اور مطلب پر غور کرتے ہیں یہ محسُوس کرتے ہیں کہ گویا وہ ہمیشہ ایک اخلاقی کشمکش میں مُبتلا ہیں۔ وہ اس امر سے واقف ہیں کہ اُن کے اندر نیک و بد ہر دو جذبات موجود ہیں۔ وہ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ نیکی کی پیروی کرنے کے پختہ ارادہ کے باوجود بھی اکثر اوقات وہ اپنے جذباتِ بد سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اندرونی حالت کے اعتبار سے انسان ایک ایسے مُلک سے مشابہ ہے جو رہزنوں سے معمور ہو اور اُس کے جذباتِ بد اکثر اُس پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اُن ۔ نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے جو ہمیشہ اُسکے جذباتِ نیک کے قریب ہی ہوتی ہیں لیکن جن سے وہ متنفر ہوتا ہے۔ ہماری اندرونی حالت دو دشمنوں کی مانند ہے۔ اس لئے ہم کو ہمیشہ یہ خواہش

دامنگیر ہوتی ہے کہ ہم اُس بہتر اور اعلیٰ جزو سے وصال حاصل کریں جو ہمارے اندر موجود ہوتا ہے۔ ہر ایک انسان کو اس اندرونی موافقت کی ضرورت ہے۔

دوئم۔ انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں کیساتھ موافقت و مطابقت قائم کرے جو اُس کے گرد و نواح میں ہوتے ہیں اور یُوں ایک تمدنی تطبیق پیدا کرے۔ باہمی فسادات و تنازع اور کشت و خون یہ تمام کسی صورت میں حیوانیت سے بہتر نہیں لہٰذا صحیح و سالم عقل انسانی اسے ناپسند کرتی ہے۔ ہر ایک کامل انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسی زندگی بسر کرے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے خاندان بلکہ اپنے ہمسایوں۔ رشتہ داروں اور اپنے ہمجنس انسان کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرے۔ انسان کی حقیقی خوشی اس میں نہیں کہ وہ اپنے ہمجنسوں کے ساتھ فساد برپا کرے بلکہ اس میں ہے کہ صلح۔ سلامتی اور امن و امان کی زندگی بسر کرے اور ہمیشہ دوسروں کی امداد کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ دشمن پیدا کرنے کی نسبت دوستی کا رشتہ قائم کرنا اور کینہ و حسد کے بجائے محبت اور برادرانہ اُلفت کا سلوک کرنا بدرجہا بہتر ہے۔

انسان کو اپنی زندگی میں اس توازن اور تطابق اور حقیقی صُلح و سلامتی کی از حد ضرورت ہے۔

سوئم۔ انسان کو خداتعالیٰ کے ساتھ رفاقت پیدا کرنے کی بھی آرزو ہے چونکہ انسان خدا کا مخلوق ہے اس لئے ممکن نہیں کہ وہ خدا سے دُور رہے اور اُس کے ساتھ دوستی کا تعلق قائم نہ کرے۔ انسان کی یہ تمنا ہے کہ خداتعالیٰ کے ساتھ جو اس وسیع عالم موجودات کی بنیاد ہے وصال حاصل کرے۔ یہ خیال تمام انسانی نسل میں بالعموم پایا جاتا ہے یہانتک کہ وحشی انسان بھی جو افریقہ کے وسطی جنگلوں میں بُود و باش کرتا ہے۔ قدرت کی عجیب و غریب طاقتوں کے اثر کو محسوس کرکے یہ

کوشش کرتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو ان طاقتوں کے مطابق اپنی زندگی گذرانے۔ اور تہذیب یافتہ انسان اس بات کا فکرمند ہے کہ اپنے دل میں خدا کے ساتھ صلح حاصل کرے۔ کیونکہ اُس کا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ سب سے زیادہ بزرگ مقدس اور رحیم و کریم ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ دوستی کا رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ خدا کا دشمن ہونے کے بجائے وہ اُس کی ذات پاک کے ساتھ مطابقت و موافقت پیدا کرے۔ ہر غور و فکر کرنے والے انسان کی دلی تمنا اور تقاضائے عقل یہی ہے۔

اگر ہم مذکورہ بالا اُمور کو اجمالی طور سے بیان کرنا چاہیں تو ہم یُوں کہینگے کہ کہ انسان کی رُوحانی ضرورت اور اُس کی دلی آرزو یہ ہے کہ وہ اپنی روح۔ اپنے ہم جنس انسان اور خدائے برتر اور بزرگ کے ساتھ جو تمام موجودات کا مرکز ہے موافقت پیدا کرے۔

اس حقیقی موافقت و مطابقت کا حصول انسانی زندگی کا سب سے اہم ترین اور بزرگ ترین مسئلہ ہے۔ اکثر لوگ اس مسئلہ پر محض سرسری نگاہ ڈالتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر انسانی معاشری ماحول کی ناموافقت کو بدل دیا جائے اور اگر معاشری روایات جو باعث تفرقہ ہیں منسُوخ کردی جائیں اور اگر انسان بلندی کی جانب ترقی کرے اور اُس کی عقل منور ہو جائے تو اُس وقت یہ اطمینان اور موافقت یقیناً رونما ہو جائیگی۔ لیکن چونکہ تفرقہ کے اصل اسباب معاشری ماحول میں موجود نہیں بلکہ ان سے عمیق تر اشیاء میں پائے جاتے ہیں اس لئے یہ مسئلہ نہایت مُشکل ہے۔

انسان کے رنج و الم کا سبب یہ نہیں کہ وہ اس تصوّر کی قدر و وقعت نہیں کرتا بلکہ یہ کہ وہ اس تصوّر تک پہنچنے میں ناکامیاب رہتا ہے۔ ہمارے تنزل کا سبب کامل انسانیت کی نسبت ہماری لاعلمی نہیں بلکہ یہ کہ ہم میں اُس اخلاقی زور و قوت

کی کمی ہے جو اخلاقی زندگی بسر کرنے کے لئے لازم ہے۔ پس یہ از حد ضروری ہے کہ ہم اُس طاقت و قوت کے مبدا اور منبع کو دریافت کریں جس سے ہم کو یہ قابلیت میسّر ہو سکتی ہے۔ مذہب کا کام یہ ہے کہ ان خواہشات کو پُورا کرے اور اس کے لئے جو طاقت ضرور ہے اُسے مہیا کرے۔

لیکن کیا مختلف مذاہب نے اس روحانی ضرورت کی کمی کو پُورا کرنے کا کوئی طریقہ پیش کیا ہے؟ اگر انسان کو اپنی ذات ۔ اپنے خدا بلکہ تمام عالم موجودات کے ساتھ مطابقت و موافقت رکھنی ضرور ہے تو کیا فی الواقع مذہب اس ضرورت کو پُورا کرتا ہے؟ حالانکہ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے جس کے حل کرنے کی ازحد ضرورت ہے تو بھی بہت سے مذاہب یہ دیکھکر کہ یہ نہایت مشکل ہے پست ہمت ہو گئے اور اُسے ترک کر دیا ہے بلکہ بجائے اس کے کہ اس کے حل کرنے کا کوئی طریقہ نکالیں اُنہوں نے نسلِ انسانی کو ایک اَور راہ پر چلنے کے لئے راغب کیا ہے جو آسان ہے تاکہ وہ بالائی اطمینان حاصل کرلیں۔ پس اس لئے بعض اشخاص نے اپنی مذہبی تعلیم کی رُو سے یہ خیال کرلیا ہے کہ دُنیا سے قطع تعلق کرنے اور گوشہ نشین زندگی بسر کرنے سے اُس موافقت و مطابقت کو حاصل کرلینا ممکن ہے۔ بلکہ اُن کا یہ بھی یقین ہے کہ اس طریق سے ان کے اور دُنیا کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم ہو جائیگی۔ بعض تصوّف کے معتقد ہو گئے اور اُنہوں نے وجد و حال کی وہمی و تصوری روشن شعاعوں کے ذریعہ سے اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کی ہے بعض پُر اسرار مذہبی رسوم کے نشہ میں مخمور ہو گئے اور ان رسوم کے اندر زندگی کی ناکامیوں سے پناہ لی ہے۔ بعض نے یہ خیال کیا کہ چند ایک عقائد کی جن کو وہ برحق سمجھتے تھے۔ مخلصانہ تقلید کرنے سے انہیں نجات اور اطمینان قلبی حاصل ہو جائیگا۔ اور اَوروں نے اپنے آپ کو اس یقین سے تسلی دلانی چاہی کہ خیرات سے وہ جزائے نیک کے حقدار

ہوجائینگے اور یہ جواسے نیک ہی اُن کی کمی کی تلافی کریگا۔

ان تمام رغبتوں کا تعلق یا واسطہ کسی خاص زمانہ اور مقام سے نہیں کیونکہ بنائے عالم سے لیکر ابتک ہر جگہ اور ہر مقام میں انسان کا رجحانِ طبع اسی جانب رہا ہے۔ لیکن تمام کے تمام کسی حقیقی یا مستقل تدبیر کے ظاہر کرنے میں قاصر رہے ہیں۔ بلکہ اس دِقت کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے عوض اُنہوں نے اس سے پہلوتہی اختیار کر لی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ جو نااُمید ہوگئے اور جنہوں نے یہ خیال کیا کہ اس رُوحانی موافقت اور کل موجوداتِ عالم کے ساتھ میل ملاپ حاصل کرنا امرِ ناممکن ہے وہ ہمیشہ اپنی کمینی اور ادنیٰ خواہشات کے غلام بنے رہے یا بعض نے جو اس بات کے قائل ہوگئے کہ عرصۂ زندگی کی طاقت سے گریز کرنا ممکن نہیں اپنے آپ کو خواہشاتِ زندگی کا محکوم بنا کر بے پروائی کی زندگی اختیار کرلی ہے۔ یہ دونوں صورتیں اس سوال کا حل دریافت کرنے میں طاقت کی کمی کے احساس سے پیدا ہوتی ہیں۔

ہماری آرزو اور ہماری ضرورت یہ نہیں کہ ہم ایک ایسے معبر کی تلاش کریں جس پر سے عبُور کر کے ہم خوفناک دوزخ سے نکل کر خُلدِ بریں میں داخل ہوسکیں جو امن وامان کا مرکز ہے۔ بلکہ یہ کہ ہم اپنے آپ کو ان خواہشات سے رہا کریں جو ہماری تمام زندگی کو زہر آلُود بنا رہی ہیں اور اس طور سے اپنی اندرونی زندگی میں کامل موافقت کو حاصل کرلیں زندگی کی کشمکشوں میں راہِ عدل پر قائم رہنے اور اپنے اعمال پر قبضہ پانے کے لئے لازم ہے کہ ہم اپنی خودغرضی سے نجات حاصل کریں اور نفسانی خواہشات کی قید سے مخلصی پائیں۔

یہ توازن فقط مذہبی رسُوم کی ادائیگی سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ انسانی دل میں تبدیلی واقع ہو اور انسان زندگی کو ایک نئے نقطۂ نگاہ سے دیکھنے لگے اور زندگی کے معیار تبدیل ہوجائیں۔ یعنی جب انسان اِس بات پر راضی ہوجائے کہ وہ ایک نیا مخلوق بن جائے

وہ شخص جس کے پھیپھڑوں میں سردی کی وجہ سے ورم ہو سردی سے ڈرتا ہے بلکہ وہ بادِ خنک کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے بھی خوفزدہ ہوتا ہے لیکن جب وہ صحت کُلّی پا لیتا ہے تو ہوا کے زبردست سے زبردست جھونکوں سے بھی نہیں گھبراتا۔ اسی طرح اگر کوئی ادنیٰ اثرات کے حملوں کو تکبرانہ انداز سے دیکھنا چاہے اور یہ بھی چاہے کہ اُن سے مغلوب ہونے کے بجائے اُن پر فتحیاب ہو تو چاہئے کہ اوّل وہ اپنے دل اور اپنی روح کا علاج کرے اور نئی طاقت اور نئی زندگی کا مالک بن جائے۔ ہماری مذہبی زندگی کیلئے یہ ایک نہایت اہم شرط ہے

پس یہ صاف عیاں ہے کہ اس معاملہ میں شخصی تجربہ زبانی بحث و مباحثہ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ خواہ بیشمار معلم، فلسفہ دان اور انبیا ہم کو بار بار آگاہ کیوں نہ کریں کہ ہم اپنی زندگی کو بدل سکتے اور اس کی اصلاح کر سکتے ہیں لیکن زندگی کی راہ پر چلنا اس قدر دُشوار ہے اور آزمائشیں ایسی سخت ہیں کہ یہ آگاہیاں اس قابل نہیں کہ ہم کو کامل اطمینان قلبی یا وہ تسکین دے سکیں جو ہمارے لئے ضرور ہے اس لئے اکثر اوقات اس بحرِ دُنیا کے تلاطم کے درمیان ہماری حیثیت فقط خس و خاشاک کی سی حیثیت ہوتی ہے۔ اب ہم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ایسے لوگوں کی تلاش کریں جنہوں نے اس رُوحانی توازن اور اس اندرونی موافقت و مطابقت کو پا لیا ہے۔ اور ان کے ساتھ راہ و ربط پیدا کریں تاکہ ہم اُن سے واقفیت حاصل کر سکیں اور اُن کی اندرونی زندگی کا مطالعہ کر سکیں۔

اگر کوئی شخص مصوّر بننا چاہے تو اس کے لئے فقط اُصولوں کا علم کافی نہیں بلکہ لازم ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے واقفیت پیدا کرے جو اس فن کا ماہر ہو اور اُس سے سیکھے۔ اسی طرح اخلاقی شخصیت کو حاصل کرنے کے لئے اخلاق کے اُصولوں کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ یہ لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے شخصی تعلق اور واقفیت ہو جو اخلاق کے بہترین نمونے تصوّر کئے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت اخلاقی توازن سحر و جادو سے دستیاب نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ قوانین کو ازبر کرنے سے مل سکتا ہے۔ اس لئے حقیقی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ چاہئے کہ انسان اپنی

آنکھوں سے روحانی زندگی کے حُسن وجمال کا مشاہدہ کرے اور دلی شوق سے اُسکی قدر و منزلت کیے۔

اس نقطۂ نگاہ سے یسُوع مسیح کی زندگی کا اثر نہایت اہم پُرمعنی اور قابلِ غور ہے۔ یسُوع کی زندگی زندگی کے حسن انتظام اور اندرونی موافقت کا بہترین نمونہ ہے۔ درحقیقت یسُوع کی زندگی کا اثر کمزور اور ناتواں اشخاص کے اخلاق کو تقویت بخشنے بیشمار بے ترتیب اور بیقاعدہ زندگیوں میں موافقت پیدا کرنے اور بیکسوں اور لاچاروں کو طاقت عطا فرمانے میں بزرگ حصّہ لیتا رہا ہے۔ ہماری اخلاقی جدوجہد کے لئے یہ نہایت مفید ہوگا اگر ہم اس نقطۂ نگاہ سے یسُوع کی زندگی پر غور کریں اور اُس کی اخلاقی زندگی کی خوبیوں کا معائنہ کریں۔

سب سے بڑھکر یسُوع مسیح لوگوں کے درمیان خلوص نیت اور حقیقی دوست کی حیثیت میں رہا ہے۔ وہ حلیم اور فروتن تھا اور اس کا دل دوسروں کے لئے لامحدود محبت و ہمدردی سے پُر تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ دَورِ حاضرہ کی مانند اُس زمانہ میں بھی بیشمار لوگ ایسے تھے جو بھلائی کے عوض بھلائی کرتے تھے اور ایسے لوگ بھی جو اپنے ہمسایوں کے ساتھ نیک سلوک روا رکھتے تھے۔ لیکن اُن کے دائرۂ محبّت و ہمدردی میں فقط وہی لوگ شامل تھے جو اُن کے نزدیکی تھے۔ اُن میں سے بعض ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو ناپسند کرتے تھے بلکہ اُن کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے۔ بعض اُن لوگوں سے متنفر تھے جو اُن کے مذہب و ملّت سے باہر تھے۔ بلکہ اُن کو لعنتی قرار دیکر اُن کو ہاتھ لگانا بھی ناجائز سمجھتے تھے۔ بعض ایسے لوگوں سے دُور رہتے تھے جو اُن کے قومی تصورات میں اُن کے ساتھ متفق نہ تھے۔ اور اُن سے کینہ رکھتے تھے۔ القصہ حالانکہ اُن لوگوں کا باہمی رشتہ و تعلق اچھا تھا تو بھی اُن کی ہمدردی اور اُن کی محبت محدود تھی۔ برعکس اس کے یسُوع کا دل ہر شخص کے لئے بلاتمیز قوم و ذات بے انتہا ہمدردی سے معمور تھا۔ ہر ایک کے ساتھ یسُوع کا تعلق دوستانہ تعلق تھا۔ اُس نے کسی کو اپنے پاس آنے کی ممانعت نہ کی۔ وہ ایسے لوگوں سے

گفتگو کرتا تھا جو زندگی کے ادنےٰ طبقات میں شمار کئے جاتے تھے اور وہ ہمیشہ ان کی مدد کرنے کے لئے مُستعد رہتا تھا۔

جہاں کہیں یسُوع جاتا تھا لوگ خوشی سے اُس کی پیروی کرتے تھے اُس کی زندگی کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ کوئی دُنیوی مرتبہ حاصل کرے یا کوئی مذہبی گروہ مرتب کرے لیکن یہ کہ اُن لوگوں کو بیدار کرے جو اخلاقی پاکیزگی کی نسبت خوابِ غفلت میں مُبتلا تھے اور ان کی اخلاقی کشمکش میں اُن کی امداد کرے۔

یسُوع اس امر سے واقف تھا کہ اخلاقی بدی زندگی کی کشمکش میں موجود ہے بلکہ وہ انسانی زندگی کی مصائب کی جڑ ہے اور اُس کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ مُصیبت زدہ انسانیت کی نجات کے لئے سچی دوستی کی ضرورت ہے پس اس لئے اُس نے تمام بنی نوع انسان سے حقیقی محبت رکھی۔ اس کے زمانہ میں علما لوگوں کو خدا اور مذہب کی نسبت بہت کچھ سکھاتے تھے اور اُن کا مُدعا یہ تھا کہ محض اپنی تقریروں کے ذریعہ سے لوگوں کو متقی بنائیں مسیح نے بحث و مباحثہ اور زبانی تعلیم سے انحراف کیا برعکس اس کے اُس نے لوگوں کو معرفتِ الٰہی کا علم بخشا۔

اُن لوگوں کے لئے جن کو خدا کی قربت حاصل ہے خدا کوئی دُور اُفتادہ اور نادیدنی ہستی نہیں ہے جس تک انسان کی رسائی نہ ہو بلکہ ان کے لئے وہ ایک مشفق باپ ہے جو اپنے بندوں سے محبت رکھتا اور ہمیشہ ان کے نزدیک رہتا ہے۔

مسیح کی مذہبی تعلیم اور اُس کے وعظ و نصائح حکیمانہ اور بعید از فہم نہ تھے بلکہ وہ بالکل سادہ۔ آسان اور صداقت و اخلاص سے پُر تھے۔ جو لوگ اُس کے وعظ سُنتے تھے خدا کی ہستی کا یقین کرتے اور اپنے دل میں خدا کے لئے محبت کو محسُوس کرتے تھے اور زندگی کے رنج و الم سے رہائی پاکر اعلیٰ زندگی میں پہنچائے جاتے تھے۔ یسُوع مسیح کی قدرت کا راز اسرارِ الٰہی اور حقائقِ الٰہی کی تلقین میں موجود نہ تھا۔ اس نے اس طریق سے لوگوں کو خدا

کے نزدیک لانے سے پرہیز کیا۔ اس نے یہ محسوس کیا کہ فقط ایک ہی طریقہ ہے جس سے حریص اور نفسانی خواہشات کے مقید انسان اور ستم رسیدہ غلام اور متکبر و متعصب آدمی اور بیکس و لاچار گنہگار کو ایسا ملا دیا جائے کہ وہ صُلح اور دوستی کی زندگی بسر کر سکیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ان کو خود غرضی کی قید سے رہا کیا جائے اور خدا کے ساتھ پیوست کر دیا جائے۔ اُس نے یہ معلوم کر لیا کہ خدا کی تمنا یہ ہے کہ انسان کے ساتھ حقیقی رشتہ قائم کرے۔ لیکن یہ اُس وقت تک ناممکن ہے جبتک بنی نوع انسان خدا کے متعلق فقط سطحی خیالات رکھتے ہیں۔ پس اس کو یہ یقین ہو گیا کہ ضرور ہے کہ وہ لوگوں پر خدا کی محبت اور پاکیزگی کو ظاہر کرے۔ لیکن یہ تحدید یا جبر یا اُلوہیت کی نسبت فلسفہ قائم کرنے یا کلام کی فصاحت کے ذریعہ سے لوگوں کے دل میں جوش پیدا کرنے سے ممکن نہیں ہو سکتا بلکہ برعکس اس کے ہر ایک کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرنے اور سچے دل میں خدا کے لئے جو خود محبت سے معمور ہے محبت کا شوق پیدا کرنے سے ہو سکتا ہے۔ اسی لئے یسوع نے ان لوگوں سے بھی محبت رکھنی ہرگز نہ چھوڑی جو اُس سے محبت نہ رکھتے تھے۔ اور اُس نے ان لوگوں کو بھی اپنے دائرۂ محبت سے خارج نہ کر دیا جو اُس کو ردّ کرتے اور اس کی بے عزتی کرتے تھے یہی مسیح کے زبردست اثر کا راز تھا۔ کیا حقیقت کوئی اَور طریقہ ہے جس سے لوگوں کے دل روشن اور تبدیل کئے جا سکتے ہیں اور جس سے اُن کو نئی زندگی کی جانب مائل کیا جا سکتا ہے ؟

ہم بچے کو اس کی بد عادت کے لئے سرزنش کر سکتے ہیں لیکن ہم اُس کے اندر سے کینہ اور حسد کے جذبات کو دُور نہیں کر سکتے۔ ہم اُن جذباتِ بد کی بیخکنی فقط اِس طور سے کر سکتے ہیں کہ اُس میں محبت اور نیکی کے جذبات پیدا کر دیں۔ ہم کسی شخص کو حکومت کے حوالے کر کے سخت سزا دلوا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم چاہیں کہ اُس کی عاداتِ بد اور اس کے خیالاتِ بد کو اس میں سے نکال پھینکیں تو حالانکہ

وہ خود ایسا کرنے میں ناکامیاب رہا ہو ہم اس میں ضرور کامیاب ہو سکتے ہیں اگر ہم اُس کو انسان تصور کریں اور اُس کی مشکلات اور مصائب کے وقت اس کے ساتھ محبت اور مہربانی سے پیش آئیں۔ یسوع نے ایسے لوگوں کے جو زندگی کے منہاج اعتدال سے عدول کر گئے باہم ملا دینے اور اُن کی زندگی میں موافقت و مطابقت پیدا کر دینے کے لئے اسی سادہ طریق کو استعمال کیا جس کے نتیجے حیرت انگیز ہوئے ہیں۔

درحقیقت اُس کی طاقت اور قوت کا راز اُس کے استقلال اور اُس کی سچی اور برحق محبت میں مخفی تھا۔ اُس شخص کے دل میں جو اُس کو دیکھتا تھا پاک خیالات اور نیک جذبات کے لئے ایسا زبردست شوق پیدا ہو جاتا تھا کہ اُس منوّر اور پُرجوش شوق کی گرمی کے مقابلہ میں تمام ادنیٰ نفسانی خیالات جل کر خاک ہو جاتے تھے اور اُن خیالات میں جو بدی کی طرف مائل ہوتے تھے بیداری اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سادہ طریق سے یسوع نے انسانی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا اور نسل انسانی کے تمام باہمی تعلقات کو بہت درجہ تک بدل ڈالا۔

اُن دنوں میں ایک محصول لینے والا تھا جو اپنے ظلم و تعدّی کی وجہ سے تمام لوگوں میں بدنام تھا۔ اس شخص نے اپنی منصبی حیثیت میں بیشمار لوگوں کو نقصان پہنچایا تھا۔ اور اس وجہ سے اس شہر کے تمام باشندے اُس سے عداوت رکھتے اور اُس کو بنظرِ حقارت دیکھتے تھے۔ کوئی اُس سے راہ و ربط رکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ ایک روز جب یسوع اُس کے شہر سے گذر رہا تھا تو اُس نے دیکھا کہ بھیڑ میں سے ایک شخص درخت پر چڑھ رہا ہے تاکہ اُس کو یعنی یسوع کو دیکھ سکے۔ یہ وہی شخص تھا جس سے سب متنفّر تھے۔ یسوع نے ٹھہر کر اُس سے گفتگو کی۔ لیکن اس سے زیادہ عجیب یہ بات تھی کہ یسوع نے اُس سے کہا کہ وہ رات کی روٹی بھی اُس کے گھر ہی

کھائیگا۔ سب یہ سُنکر حیران ہو گئے لیکن سب سے زیادہ حیران محصول لینے والا خود ہُوا۔ اس بات سے کہ ایسا مشہور و معروف شخص اس کے ساتھ بولے بلکہ اُس کے ساتھ کھانے کو بھی راضی ہو۔ اس کے جذباتِ انسانی پر بڑا اثر کیا جس حال کہ لوگ اس کے قریب تک بھی نہ آتے تھے یسُوع نے اس کو ایسی عظیم محبّت دکھائی اس لئے اس شخص کی رُوح اس نیک حرکت کی وجہ سے پاکیزہ خیالات کی آگ سے رَوشن ہو گئی اور اُسے یقین ہو گیا کہ اب تک اُس میں کچھ نہ کچھ انسانیت باقی رہ گئی ہے۔ اُسے اپنے گذشتہ اعمال کی نسبت رنج ہُوا اور اُس کی ضمیر اس قدر بیدار ہو گئی کہ اُس نے اقرار کیا کہ وہ اُن کو جن کو اس نے اپنے ظلم سے نقصان پہنچایا تھا دوچند بلکہ اس سے بھی زیادہ واپس کر دیگا۔ اُس نے ایک نئی زندگی میں قدم رکھا اور خدا اور اپنے ہمجنس انسان کی نسبت اُس کی رائے بالکل تبدیل ہو گئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح نے لوگوں کی باتوں کا خیال نہ کرتے ہوئے اور ان کی نفرت اور حقارت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس حقیر شخص میں دلچسپی لی اور اس کو ایک نیا مخلوق بنا دیا۔

یسُوع نے اُسے اپنے ہمجنسوں کا ایک مفید اور کارآمد شریک بنا دیا۔ بلکہ یہ بھی کہ وہ بعد ازاں نقصان دِہ شخص نہ رہا۔ یسُوع نے اس کی بے ترتیب زندگی کو ترتیب وار بنا دیا۔ اور اس کی سنگدلی کو نرمی اور محبّت میں تبدیل کر دیا۔ فی الحقیقت اسی میں مسیح کی کامیابی کا راز اور لوگوں کی زندگیوں پر اس کا اثر پایا جاتا ہے۔

پس خواہ کوئی انسان کتنا ہی ادنیٰ اور حقیر کیوں نہ ہو جب وہ یہ معلوم کر لیتا ہے کہ خدا اُس کے بہت قریب ہے اور باوجود اُس کی ادنےٰ حیثیت کے خدا اُس سے محبّت رکھتا ہے۔ جب وہ یہ محسُوس کر لیتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک ہی خدا کے فرزند ہیں اور سب اُس کی نظر میں یکساں ہیں اور انسان ایک بعید از فہم

اثر کے نتیجہ میں محض ایک دل بہلاوا نہیں بلکہ وہ ایک کریم باپ کی پناہ میں ہے جو اُس سے محبت رکھتا ہے اور تمام حادثات اور واقعات جو یکے بعد دیگرے واقع ہوتے ہیں کسی نیک مقصد کو پُورا کرتے ہیں۔ اُس وقت زندگی کی نسبت اُس شخص کی رائے اور اُس کا انداز بدل جاتے ہیں اور وہ نئے تعلقات کی تلاش کرتا ہے جو اعلیٰ اُصولوں پر مبنی ہوں۔ درحقیقت اِس سوال کو مذہب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خدا کو مطلق العنان شریعت کا وضع کرنے والا تصور کرنا اور اُن لوگوں کو جو اس قانون کی رُو سے اپنے اعمال کی سزا پاتے ہے بچنا چاہتے ہیں معمولی راہ دکھانا یا خدا کو زبردست اور ظالم بادشاہ سمجھنا اور ایک ایسے شفیع کی تلاش کرنے کی کوشش کرنا جو اُس کے غضب الٰہی کو فرو کر سکے اور انسان کو دوزخ کے عذاب سے بچا کر جنّت کی خوشی میں شامل کر سکے یہ دکھاتا ہے کہ مذہب ایک بالائی اور سطحی شئے ہے۔ مذہب کا اصل مُدعا یہ ہونا چاہئے کہ کسی حقیر و ناچیز شخص کے ادنےٰ تصور پر جو انسانیت کے اصلی جذبات سے بہت دُور ہو گیا ہو اور جس نے اپنے آپ کو انسانیت سے علیٰحدہ کر لیا ہو ایسا اثر کرے کہ اُس کو انسان ہونے کی حیثیت میں ہی اس کی عمدہ میراث کی نسبت بیدار کرے اور اس کو ایک ایسے اعلیٰ پایہ تک پہنچائے کہ وہ فی الواقع خدا کا فرزند ہونے کے قابل ہو جائے۔ یہ نتیجہ تہدید اور تنبیہ کے وسیلہ سے ممکن نہیں ہو سکتا بلکہ فقط ہمدردی اور محبت کو ظاہر کرنے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی مسیح کی زندگی کا مقصد اور منشا تھا۔

فرض کیجئے کہ کوئی شخص اتفاقاً سمندر میں گر پڑے۔ وہ موت کے خوف سے دریا کی موجوں کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں اِدھر اُدھر مارتا ہے۔ ساحل دریا پر کچھ لوگ کھڑے اِس نظارہ کو دیکھ رہے ہیں۔ تماشہ دیکھنے والوں سے تین باتوں کی توقع ہو سکتی ہے۔ اوّل یہ کہ وہ ساحل پر سے کھڑے ہو کر چلا کر اُس کو یہ کہیں کہ اگر وہ کنارے پر آجائے تو وہ اُسے بچالینگے۔ دوم۔ یہ کہ وہ رسّی اُس کی جانب پھینک کر اُس کو یہ صلاح

دیں کہ وہ اُس کو مضبوطی سے پکڑلے اور دریا کی لہروں کا مقابلہ کرے ۔ سوم یہ کہ
اُن میں سے کوئی اُس باپ کی مانند۔ پانی میں کُود پڑے، جو اپنے بچے کو بچانا چاہتا ہو
یا اُس نوجوان کی مانند جو اپنے دوست کی خاطر اپنی جان معرضِ خطر میں ڈالتا ہو
اور وہ اس کو ساحل دریا تک کھینچ لے آئے ۔ وائے افسوس ! مذہبی انتظامات
کا نظم ونسق پہلی جماعت سے مشابہ ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ فقط آگاہ کردینا
بالکل کافی ہے ۔ وہ بیچارے گنہگار آدمی کی مصیبت اور تکلیف کا اندازہ نہیں کر
سکتے ۔ پھر بعض لوگ دوسری جماعت کی مانند یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کوئی فلاں
فلاں رسم ادا کرے تو وہ راہِ نجات حاصل کریگا ۔ لیکن ان ہر دو خیالات میں
سے ایک بھی زندگی کی آزمائشوں ۔ تکلیفوں اور عیش وعشرت کی جد وجہد غیظ و
غضب ۔ عداوت ۔ حسد ۔ لالچ اور انواع واقسام کی اور بدیوں کے لئے کافی و
وافی نہیں ۔ ایسے وقت جبکہ ہم اپنے شخصی مشاغل کے عہد و معاہدوں کے باعث
اپنی تمام ملکیت کے ضائع ہوجانے کے خطرات سے دوچار ہوتے بلکہ ہماری جان بھی
معرضِ خطر میں ہوتی ہے ایسی آگاہیاں سراسر بے سود ہوتی ہیں ۔ اس وقت ہم
کو ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو محبت اور رحم کا ہاتھ بڑھائے ۔
ایسے دوست کی جو خالص محبت کے ساتھ ہماری مدد کرے اور ایک ایسی اعلےٰ
ہستی کی جو ہمدردی سے اپنا سب کچھ ہماری خاطر قربان کردینے کو تیار ہو۔ فقط
اس سے ہم کو تقویت پہنچتی ہے اور لوگوں کے ساتھ یسُوع مسیح کا یہی سلوک
رہا ۔ اس طریق سے مسیح نے لوگوں کی زندگیوں پر بڑا اثر کیا اور وہ ان کو راہِ
ضلالت سے بچا کر خدا کی پاک راہ پر لے آیا۔ چونکہ یسُوع سب باتوں سے زیادہ
انسان کا صادق دوست رہا اُس نے مذہبی تعلیم صدق دلی سے دی اور اپنی
زندگی سے اخلاقی کمالیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ۔ اور مذہبی تاریخ میں اعلیٰ مرتبہ

حاصل کیا ہے۔ وہ ہمیشہ کُل انسان کا دوست بننے اور اُن کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرنے کو تیار تھا۔ اس نے اپنی زندگی اِسی خدمت کے لئے وقف کر دی کہ گرے ہوؤں کی تلاش کرے۔ ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرے اور ان کو زندگی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچائے۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ انسان کی دلی آرزو اور تمنا یہ ہے کہ خدا کے ساتھ روحانی وصال حاصل کرے بلکہ اپنے ہمجنس انسان کے ساتھ کامل مطابقت و موافقت پیدا کرے اِس باہمی مطابقت کے بغیر اِنسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ اس کو ظاہرا طور سے سب کچھ بہم ہو بھی تو بھی اگر اس کو اطمینان قلبی حاصل نہیں تو اس کی زندگی میں بیقاعدگی ہوگی۔ مسیح کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد یہ ہے کہ وہ یہ ظاہر کرے کہ انسان اخلاقی کشمکش میں شر اور شیطانی۔ نفسانی خواہشات کا مقابلہ کر کے اُن پر غالب آسکتا ہے اور کہ انسان دُنیاوی تکلیفات اور مصائب کے درمیان رہ کر پاک اور بے لوث زندگی بسر کر سکتا ہے۔ فی الحقیقت مسیح فقط مذہبی تصور پیش کرنے والا نہیں بلکہ وہ زندگی کی طاقت و قدرت کا منبع ہے اُسے آزمائشوں اور تکلیفوں کا مقابلہ کرنے اور اُن پر غالب آنے کی طاقت حاصل تھی۔ وہ اپنی تمام زندگی بھر راہِ عدل پر قائم رہا۔ اُس نے اُن سب کو جو اُس کے قریب آنے اور اُس کی دوستی کو حاصل کرنے کی آرزو رکھتے تھے یہ توفیق بخشی کہ اُس کے ہمشکل بن سکیں۔

وہ ہر ایک فردِ بشر کا رفیق صادق ہے خواہ وہ کسی درجہ اور طبقہ کا کیوں نہ ہو اور اُس کی رفاقت ایک ایسی طاقت ہے جو اِس قابل ہے کہ ہر ایک اِخلاقی کمزوری کا مقابلہ کر سکے۔ وہ ہر ایک انسان

ہے" یہ ان الفاظ میں دیا "یہ تمہارے اپنے مذہب پر موقوف ہے۔"
بعض ایسے مذہبی عقائد ہیں جو انسان کو غلام بنا دیتے۔ اُس کی عقل
کو اندھا کر دیتے اور اس کے فہم و ادراک پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ اور
بعض ایسے عقاید ہیں جو انسان کو آزاد کرتے۔ اس کی عقل کو بڑھاتے
اور اس کے دماغ کو روشن کرتے ہیں۔ مذہب کا فائدہ مند ہونا یا نقصان
دِہ ہونا آپ کے ذاتی اعتقاد پر منحصر ہے۔ نیک اور برحق باتوں کو ماننا
انسان کو بہتر بناتا پُرانی اور غلط باتوں کا ماننا ترقّی کے لئے سدِ راہ ہے۔
مذہب نے لوگوں کو بڑی قربانیوں اور نیک اعمال کے کرنے کی
تحریک دی ہے لیکن مذہب ہی نے لوگوں کو جور و ستم کرنے پر آمادہ
کیا ہے۔ ایک مذہب محبّت کا ہے جو انسان کو محبّت کرنے کے لئے
آمادہ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مذہب خود غرضی کا ہے جو لوگوں کو نفرت
اور عداوت کی ترغیب دیتا ہے۔ چاہیئے کہ ہم مذہب کو برطرف نہ
کریں بلکہ اپنے مذہبی اعتقادات کو پاک اور مقدس بنائیں اور اُنہیں
اپنی عقل اور اپنے ادراک کے ساتھ ملا دیں۔ مشرق اور مغرب کی سب سے
بزرگتریں ضرورت یہی ہے۔